پاکستانی معاشرہ کی تباہی میں روزنامہ جنگ کا حصہ

[یہ مضمون شعبہ ابلاغیات جامعہ کراچی کے تحقیقی مجلّے ''جرنلسٹس'' کے ''جنگ نمبر'' کے لیے اردو کے ممتاز ادیب و نقاد مرحوم شمیم احمد نے تحریر کیا تھا مگر بعض وجوہات کی بناء پر شائع نہ ہوسکا۔ جس وقت یہ مضمون لکھا گیا تھا تب میر خلیل الرحمان اور مضمون نگار دونوں زندہ تھے۔ افسوس کہ دونوں اب اپنے رب کے حضور پہنچ چکے ہیں یہ غیر مطبوعہ مضمون قارئین ساحل کے لیے پیش خدمت ہے۔]

معاشرے کی تعمیر و تشکیل کے محرکات:

معاشرہ کوئی جامد یا ٹھوس چیز تو ہوتا نہیں نہ وہ کسی مجرد چیز سے پیدا ہوتا ہے، اسے افراد تشکیل کرتے ہیں۔ فرد البتہ صرف گوشت پوست استخواں جسمانی ساخت اور جبلی خواہشات کا نام نہیں ہوتا بلکہ اپنے مجرد خیالات، تخیل، فکر، طرز احساس کے ساتھ ساتھ سوچے سمجھے، سیکھے اور پڑھے ہوئے اور اکتساب علم و تجربہ پر مشتمل افکار اور خیالات کا مجموعہ بھی ہوتا ہے۔ اور اس کی یہی قوت اور انفرادیت اسے اجتماعی طور پر مل جل کر رہنے اور معاشرہ کی تعمیر و تشکیل میں حصہ لینے پر مجبور کرتی ہے۔ اس میں افادیت بھی ہے تحفظ بھی، خوف سے نجات بھی اور دکھ درد میں شرکت کا احساس بھی.....معاشرے کا گراف بھی افراد اور تاریخ کی طرح ارتقاء اور پستی دونوں طرف سفر کرتا ہے۔ اسی سے تاریخ انسانیت کے بعض ابتدائی کامیاب معاشرے قائم ہوئے اور مثالی اور اعلیٰ ترین معاشرے قائم کرنے کے تصورات اور خواہشات پیدا ہوئیں۔ چنانچہ تاریخ کے طویل اور لمبے سفر میں ایک آدھ بار ایسا بھی ہوا کہ مکمل معاشروں کی داغ بیل ڈالنے میں کامیابی بھی ہوئی جس کے نتیجے میں صدیوں تک ان کے اثرات دنیا کے اطراف اور اکناف میں اور جہاں جہاں انسان بستے تھے مختلف اوقات اور فاصلوں تک پڑے رہے اور اسی فکری قوت اور باعمل معاشروں کے نتیجے میں عالم انسانیت نے مادی اور تہذیبی دونوں طور پر موجودہ تاریخ کے بہترین ثمرات حاصل کیے۔ لیکن جب ان میں ضعف اور انحطاط آیا اور وہ زوال کے دور میں داخل ہوئے تو وہ اسی طرح پست ترین اور بدترین معاشروں اور افراد کی مثال بھی بن گئے جس طرح مثالی معاشروں میں دوسری سمت بنے تھے۔

اعلیٰ خیالات رجحانات وتصورات کی اہمیت:

اس سارے عمل میں تاریخ اور انسان کے سفر میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں اور مشترک نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ جب بھی ایسے معاشرے عروج وارتقاء اور ارتفاع کی طرف بڑھے تو ان میں اپنی مکمل کامیابی سے قبل عروج وارتقاء اور ارتفاع کی طرف بڑھنے کے قوی تصورات اور رجحانات پہلے نمایاں ہوئے اور اعلیٰ خیالات وافکار کی ترویج کے ساتھ ساتھ علم ودانش کا رجحان اوپر کی طرف تیزی سے بڑھا۔ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ ان میں اپنے افکار وخیالات پر عمل کرنے کی نمایاں صلاحیت پیدا ہوئی۔ ہمیں تاریخ میں جب بھی کوئی مثالی معاشرہ نظر آتا ہے تو وہ اپنے افکار وخیالات پر عمل کرنے کی بہترین صلاحیت سے مزین اور فکر وعمل کے امتزاج کا مکمل نمونہ نظر آتا ہے۔ اسی طرح جب وہ معاشرے زوال وپستی کا شکار ہونا شروع ہوتے ہیں تو ان میں فکر وخیال کا سوتا خشک ہوجاتا ہے علم ودانش سے انحراف اور بدشوقی، اعلیٰ انسانی اقدار سے پہلوتہی اور نفس پرستی اور اس سے بھی بڑی بیماری یعنی بے عملی سب سے پہلے نمایاں ہونا شروع ہوجاتی ہے۔ یہ صورت حال اتنی فطری اور طبعی ہوتی ہے کہ جس طرح کسی بھی معاشرے میں عروج اور ارتفاع عمل اور رجحان علم ودانش کی طرف رغبت افکار تازہ کی دوبارہ پیدائش کو صرف منصوبہ بندی پیش بینی یا خواہش سے حاصل نہیں کیا جاسکتا اسی طرح زوال اور انحطاط کے عمل کو بھی کسی قسم کی پیش بینیوں اور منصوبہ بندیوں سے روکا نہیں جاسکتا اور انسان میں عمل کی قوت تو کسی طرح بھی سوچے سمجھے منصوبے سے پیدا ہی نہیں کی جاسکتی۔ عموماً معاشروں اور افراد میں یہ تبدیلی کسی نہ کسی فطری یا طبعی اصول کے تابع ہوتی ہے جس کو ابھی انسان کی دانش دریافت نہیں کرپائی کہ وہ کون سا لمحہ ہوتا ہے جب کوئی معاشرہ اور قوم اچانک ارتفاع کے دائرے میں داخل ہوجاتا ہے اور وہ کون سا لمحہ ہوتا ہے جب وہ زوال اور انحطاط کے رستے پر پڑ جاتا ہے۔

ہاں جن معاشروں میں زوال اور انحطاط کے عمل کے دوران بھی کسی نہ کسی سطح پر اپنے بنیادی تصور حیات یا مقصد حیات سے کوئی مسلسل اور حقیقی تعلق باقی رہتا ہے اور وہ کسی نہ کسی طرح اور کسی نہ کسی سطح پر اسے اپنی معاشرتی اقدار کی صورت میں برقرار رکھنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو ان میں اس قوت کو دوبارہ بروئے کار لانے میں کامیابی کا امکان ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ قریبی تاریخ میں اس کی مثال قیام پاکستان اور ایران میں اسلامی انقلاب کے اہم واقعات سے دی جاسکتی ہے۔

اعلیٰ اقدار سے انحراف کے خطرناک اثرات:

اس تمہید اور معاشرے کے اس عمل کا ذکر کرکے جو بات میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ افراد اور ان کے پیدا کردہ معاشرے میں اعلیٰ اقدار کی ترویج اور اس سے انحراف کے رجحانات کے اثرات بہت جلد مرتب ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔ اس کی ایک بہت حقیقی اور حال کی مثال ہمارے موجودہ پاکستانی معاشرے

کی ہے جس کی تشکیل پاتے ہی اسے پارہ پارہ کرنے کا عمل بھی ساتھ ہی شروع کر دیا گیا تھا۔ چونکہ پاکستانی معاشرے کے ایک فرد کی حیثیت میں، میں نے تحریکِ پاکستان کو کامیاب ہوتے اور پھر پاکستان کو قائم ہوتے بھی دیکھا اور پھر پاکستان کے ایک شہری کی حیثیت سے، ابتدا ہی سے اس کا مشاہدہ کرتا رہا ہوں لہٰذا میں پہلے آپ بیتی کے حوالے ہی سے اپنے وہ مشاہدات قلم بند کروں گا جو مجھے آپ کے ساتھ اس سوال پر سوچنے کا موقع اور مواد بھی فراہم کرتا ہے اور پاکستانی معاشرے کے موجودہ انجام کو سمجھنے میں بھی مدد دیتا ہے۔

پاکستانی معاشرے کی تباہی میں ''جنگ'' کا پچاس فی صد حصہ:

میرا یہ حتمی خیال ہے کہ پاکستانی معاشرے کو بگاڑنے اس کو طرح طرح کی چوٹیں لگانے، ہماری قومی، تہذیبی، ادبی اور سیاسی اقدار کو بے آبرو کرنے اور اخلاقی طور پر پوری قوم کو مسخ کرنے میں جتنا ہاتھ ہمارے طبقاتی، مفاداتی، اقتدار پر ہر صورت قبضہ جمائے رکھنے والے جاگیرداروں ایک نئی مملکت کے نو دولتیے سرمایہ داروں اور اس کی محافظ نوکر شاہی [بیوروکریسی] اور فوجی مہم جویوں کا رہا ہے۔ اتنا ہی ہاتھ ہمارے صرف ایک اخبار روزنامہ ''جنگ'' کا رہا ہے۔ شاید آپ کو میرے اس آخری جملے پر حیرت ہوئی ہوگی اور آپ نے یہ سوچا بھی ہوگا کہ ایک روزنامہ یہ کام کیسے اور کیوں انجام دے سکتا ہے؟ لیکن یہ ایک حقیقت ہے ''جنگ'' نے ایک اخبار اور سیاسی روزنامے کے دائرہ عمل سے بڑھ کر ابتدا ہی سے محض اپنے ذاتی مفادات کے لیے ہر اس چیز کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی جو ایک نو تعمیر معاشرے کی بنیادیں استوار کرنے والی اور ایک نیا سفر شروع کرنے والی قوم کی کردار سازی کے لیے ضروری تھا۔ اور ایک ایسی ملک کی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے لازمی تھا جو ایک بڑے مقصد اور نصب العین کے نام پر وجود میں آیا تھا اور پھر بعد کے زمانے میں تو وہ خود ملک توڑنے والی اور تباہ کرنے والی ان قوتوں کے شریک اور ہم سفر کی حیثیت میں سامنے آیا اور اب تو پہلے سے زیادہ موثر کردار انجام دینے میں ہمہ تن مصروف ہے۔ اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ پاکستان کو موجودہ حالت تک پہنچانے میں اگر آدھا حصہ مفاد پرست اور اقتدار پسند سیاست دانوں نوکر شاہی کے نمائندوں اور فوج کے بعض محافظوں کا ہے تو آدھا حصہ روزنامہ ''جنگ'' کا تو اس پر کسی حیرت کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن میں اپنے مشاہدات کا اظہار کرنے سے قبل دو ایک پہلوؤں کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔

قربانیاں ہماری روایت نہیں: جنگ

اس کا اعتراف تو خود میر خلیل الرحمان صاحب کو رہا ہے کہ ان کا اخبار ہماری اس روایت کا اخبار نہیں ہے۔ جس نے قومی اور آزادی کی تحریکات کے لیے بڑی بڑی قربانیاں دی تھیں اور ایک زمانے میں قوم کی کردار سازی کی تھی۔ وہ اس کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ ان کا اخبار کسی ایسی پارٹی اخبار جیسا بھی نہیں جو اپنے نصب العین، نظریات اور مقاصد کے لیے بڑے بڑے نقصانات اٹھاتے ہیں جن کے ڈیکلریشن ضبط

ہوتے ہیں، پریس کے اجازت نامے منسوخ کیے جاتے ہیں اور جس کے مالکان اور مدیران اس کے لیے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہتے ہیں۔ پیپلز پارٹی کی پہلی پہلی حکومت ابھی قائم ہوئی تھی۔ بھٹو صاحب جمہوریت کے واحد چیمپیئن ہونے کے دعوے کے ساتھ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بن کر برسر اقتدار آئے ہی تھے کہ آتے ہی انھوں نے اپنی ''خالص جمہوریت'' کا ثبوت اپنے سے اختلاف کرنے والے اخبارات اور رسائل پر یلغار کر کے دیا تھا۔ ایک ایسے ہی اخبار کے بے روزگار کارکنوں کے بھوک ہڑتالیوں سے ملنے میر خلیل الرحمان صاحب بھی اپنے دفتر میں جاتے ہوئے رکے۔ میں بھی وہاں موجود تھا۔ انھوں نے اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے اس اخبار کے کارکنوں سے کہا تھا کہ آپ لوگ ''مشنری'' لوگ ہیں۔ مجھے اس کا اعتراف ہے کہ روزنامہ ''جنگ'' پر اگر کوئی ایسی افتاد کبھی پڑے تو اس کو دوسرے دن پوچھنے والا کوئی نہیں ہوگا لیکن اگر آپ ایک کاغذ کے ٹکڑے پر بھی اپنے اخبار کا نام لکھ کر بیچیں گے تو اس اخبار کو ہر قیمت پر خریدنے والے لوگ موجود ہوں گے۔ اس کے علاوہ بھی متعدد موقعوں پر میر صاحب کے بہت سے بیانات ریکارڈ پر ہیں کہ ان کا اخبار ایک کمرشل اخبار ہے۔ اس سے آپ زمیندار والی یا کامریڈ والی کسی قربانی اور ایثار کی توقع نہ رکھئے۔ اخبار ''جنگ'' نے صحافت کو صنعت بنا دیا ہے۔ ان بیانات میں کسی قسم کی شرمندگی کے بغیر جو نیم فخریہ انداز اخبار کے کمرشل ہونے پر موجود ہے۔ اسی نے ''جنگ'' کو ابتدا سے پاکستان کی سیاسی، اخلاقی اور معاشرتی تباہی میں ''قابل فخر'' کردار انجام دینے کے قابل بنایا تھا۔

قیام پاکستان سے قبل انجام اور جنگ کا موازنہ:

یہ سب کیسے کیا گیا میں اس کا چشم دید اور ادنیٰ مشاہدہ کرنے والا ہوں۔ چونکہ میں شروع سے ہی پاکستانی قیادت کے ہر رخ کو ان کے دعاوی پر اور قیام پاکستان کے بعد اقتدار میں آنے والوں کے ہر اس فعل اور عزائم کو پڑھنے کا عادی تھا جس کے لیے یہ ملک بنایا گیا تھا اور تحریک آزادی اور حصول پاکستان کی جدوجہد کے نتیجے میں پاکستان کے کروڑوں انسانوں کی اجتماعی زندگی پر اس کے خاصے گہرے اثرات موجود تھے۔ اسی لیے میں اپنے مشاہدے کو ۱۹۴۷ء کے اس زمانے تک لے جاؤں گا جب دہلی اور یوپی کی سیاسی فضا پر مسلم لیگ کے حامی اخبارات گنتی کے تھے۔ انگریزی میں ڈان اور اردو میں ''انجام''۔ گو کہ ''انجام'' کو مسلم لیگ کے آرگن کا مرتبہ حاصل نہیں تھا۔ مسلم لیگ کا ترجمان اخبار ''منشور'' تھا۔ مگر اسے عوام میں وہ مقبولیت حاصل نہیں تھی جو ''انجام'' کو تھی وہ مسلم لیگ کے موقف کی پرزور حمایت کرتا تھا اور اس کے مالک عثمان آزاد خود بھی مسلم لیگ میں شامل تھے۔ گو کہ وہ اپنے مشاغل اور عادات میں اس معیار پر پورے نہیں اترتے تھے جیسے ڈان کے الطاف حسین اور منشور کے حسن ریاض صاحب تھے۔ لیکن انھوں نے مسلم لیگ کی روز افزوں مقبولیت کے دھارے پر ''انجام'' کو ڈال دیا تھا۔ وہ اخبار کو اخبار ہی کی طرح نکالتے تھے اور مسلم لیگ سے مخلص تھے۔ چنانچہ دہلی اور مغربی پورب

میں ''انجام'' سب سے زیادہ پڑھا جانے والا اور مقبول مسلم لیگی اخبار تھا۔ تقریباً یہی زمانہ تھا کہ دہلی سے ایک اور اخبار سامنے آچکا تھا۔ یہ ''جنگ'' اخبار تھا جو میر خلیل الرحمان صاحب نے سید محمد تقی صاحب کی ادارت میں شروع کیا تھا۔ قیام پاکستان تک اس اخبار کا عوام میں کوئی اثر نہ تھا۔ اس کا نام اس کے مالکان اور مدیر سب اس وقت تک گمنام اور صحافت میں نوآموز تھے اور ان کے خیالات، مقاصد اور نیتیں بھی کوئی واضح نہیں تھیں۔ البتہ وہ مسلم لیگ کے نام پر ہر اس چیز کو ایکسپلائٹ کر رہا تھا جسے کسی طرح بھی ایک معیاری اخبار اور صحافت کا نام نہیں دیا جاسکتا تھا۔ ایک جذباتی سنسنی خیزی اور عوام کے جذبات سے کھیلنے والے انداز کے اس اخبار کو کسی نے بھی ''انجام'' جیسے بھاری بھرکم اخبار کے مقابلے پر اہمیت نہیں دی۔ البتہ عوام کے نیم خواندہ، ان گڑھ اور غیر تربیت یافتہ ذہنوں یا نچلے طبقے کے محدود جذبات کو وہ اس طرح اپیل کرتا تھا جیسے بہت دنوں تک کراچی میں ایک شام کا اخبار ''نئی روشنی'' کرتا تھا۔ نیم سنسنی خیز، جذباتی خبروں کے ساتھ جرائم کی مزے دار خبروں کا چٹخارہ اور کچھ نیم برہنہ عورتوں کی تصویریں اور کہانیاں ایسے اخبار غریب اور ان پڑھ عوام کی کوئی سیاسی یا تہذیبی تربیت کرنے کے بجائے ان کے اندر طرح طرح کے مفاسد کو مقبول بنا کر اپنا الو سیدھا کرتے ہیں۔ چنانچہ قیام پاکستان سے قبل ''جنگ'' کی یہی حیثیت تھی، اس کا انجام سے کوئی مقابلہ نہ تھا۔

تقسیم ہند کے بعد کراچی کی صحافت کا منظر:

قیام پاکستان کے بعد کراچی ملک خداداد پاکستان کا دارالحکومت بنا۔ ایک تو بالکل نیا ملک اور پھر اس میں ایک دارالحکومت کا پورا ہمہمہ موجود تھا۔ چنانچہ ڈان ''انجام'' اور ''جنگ'' بھی فوراً یہاں منتقل ہوئے۔ ابتداء میں یہاں بھی وہی صورت حال قائم رہی جو قیام پاکستان سے قبل دہلی میں تھی۔ انگریزوں کے لائے ہوئے پریس اور صحافت نے برصغیر پاک و ہند میں پڑھے لکھوں کا ایک ایسا طبقہ محدود طور پر سہی یہاں بھی پیدا کرلیا تھا کہ ہر اخبار اپنے پڑھنے والوں کا ایک مخصوص حلقہ اور مزاج بنالیتا تھا، پھر اس کی چاٹ سنجیدہ پڑھنے والوں کو اس طرح پڑ جاتی تھی کہ اس کے بغیر ناشتہ ہضم نہیں ہوتا تھا۔ بقول شخصے اس وقت تک صبح طلوع نہ ہو پاتی تھی کہ جب تک اخبار سامنے نہ ہو چنانچہ اس عادت نے ''انجام'' کو ابتدا میں کراچی کا سب سے مقبول اخبار بنائے رکھا۔ مگر اب حالات میں کافی فرق پڑ گیا تھا وہ اپنی سرزمین سے اکھڑ کر نئے پاکستان میں آیا تھا۔ مقبولیت کے نشے نے عثمان آزاد کو بہت دنوں تک اپنے حریف کی قوت کا نئے حالات میں اندازہ نہیں ہونے دیا جب وہ چونکے تو اس وقت تک پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ ''جنگ'' کے لیے فضا یکسر بدل چکی تھی ایک تو وہ اپنی سرزمین میں واپس آیا تھا۔ مقام اشاعت خواہ کتنا بھی نیا ہو اس نے نئی مملکت میں آتے ہی اپنے سرپرست، سیاسی ہدف اور اقتدار کی رسہ کشی میں اپنے خاص مزاج کے ہتھیار گویا سان پر رکھوا لیے تھے اور ''انجام'' کو اب وہ ہر صورت میں شکست دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک نئے ہنستے بستے معاشرے

اور نئی مملکت کے عوام کو ذمہ دار شہری اور باخبر افراد بنانے کے بجائے ان میں سیاست، صحافت کا سنجیدہ شعور پیدا کرنے اور ایک نئی قومی اسلامی مملکت میں قومی صحافت کی روایت کی ترویج اور اس کے سیاسی، نظریاتی، تہذیبی عوامل کو پیش نظر رکھنے کے بجائے وہی دلی والے تمام ہتھکنڈے بڑے پیمانے پر یہاں بھی استعمال کرنے شروع کر دیے۔ نئے حالات اور نئے معاملات میں اسے اس میں بڑی نمایاں کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔

جنگ کی پرانی روش: ذاتی مفادات

پاکستان ہندوستان کی تقسیم کے نتیجے میں جن حالات کا شکار تھا۔ ایک بہت بڑی تبادلہ آبادی کشت وخون کے بعد نئے حالات، نئے آنے والوں، نئے سیاسی مفادات، طبقاتی استحکام کی کاروباری منفعتوں نئے شہروں میں بالخصوص کراچی میں ایک نئے معاشی طبقے کے ابھرنے سے سرمایہ داری، بینکاری اور نئی صنعتوں کے قیام اور ایک جدید اور نئی ریاست کی تشکیل کے نئے اور وسیع امکان کے ساتھ وجود میں آیا تھا۔ اس ابھرتے ہوئے پاکستان کے نئے معاشرے کی اقدار اور قومی امنگوں کے پیش نظر ''جنگ'' نے اپنی قومی اور سیاسی ذمہ داری کو بالکل محسوس نہیں کیا اور اپنے ذاتی اور کاروباری فائدے کو مدنظر رکھتے ہوئے پرانی روش کو اور بھی شدومد کے ساتھ اختیار کر لیا۔ اس نے پاکستان کی سیاست میں اسی جذباتی، غیر حقیقی، غیر ذمہ دارانہ سیاست اور صحافت کو فروغ دیا اور اس اقتدار کا ساتھ دیا جو قومی ذمہ داری پر ذاتی مفادات اور خواہشات کو ترجیح دیتا تھا اور یہی اس کا دلی میں بھی اصل مزاج تھا گو کہ اس کا دائرہ بہت محدود تھا۔

روزنامہ جنگ کا ناپاک کردار:

ہندوستان اور پاکستان کے ابتدائی زمانے میں لحہ بہ لحہ بدلتے ہوئے سیاسی تناظر، کشمیر کے مسئلے نئی سرحدوں اور دریاؤں کی تقسیم کے نہایت اہم معاملات کے ساتھ بین الاقوامی سطح پر ایک خاص انداز کی عالمی گروہ بندیوں میں ''جنگ'' نے تمام اخبارات کے مقابلے پر سب سے زیادہ سیاسی استحصال کیا اور پاکستان کے عوام کو کبھی وہ شعور دینے کی کوشش نہیں کی اور نہ اس کی تربیت کی جو ایک قومی اخبار کے دعوے دار اخبار کا سب سے بڑا فرض اولین قرار پاتا ہے۔ اس کے ساتھ اس نے پاکستان کی ہر حکومت اور اقتدار کی ممکنہ تبدیلیوں کے ساتھ ہمیشہ چڑھتے سورج اور بدترین مفاد پرستی کا ساتھ دیا خواہ وہ ملک اور قوم کے لیے کتنی بھی مہلک ثابت کیوں نہ ہو رہی ہو۔ اس نے اپنے سیاسی رویے سے بدترین مفاہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پاکستان کو اس موقع پرست، بے ضمیر اور مفاد پرست سیاست کی ہر مدد کی جس کے نتیجے میں قائداعظم کے بعد مسلم لیگ کی مخلص سیاست کی ناکامی اور پھر جمہوریت کی بیخ کنی کا آغاز ہوا۔ ''جنگ'' نے ہر ایسے عمل میں ناپاک ترین کردار انجام دیا جس نے پاکستان کی سیاست عوام کے انتشار اور معاشرے کو بحران کے اس مقام تک پہنچا دیا جہاں اس کا انجام غلام محمد کی ''تاناشاہی'' پھر فوج کے اقتدار اور بالآخر ملک کے دو ٹکڑے ہونے پر منتج ہوا اور پھر اس

کے بعد بچے کھچے پاکستان میں یہی عمل بدترین اسلامی اور پاکستان کی معاشرتی اقدار کی پامالی سے موجودہ فرقہ وارانہ اور نسلی افتراق تک سفر کرتا ہے اور اس کے ساتھ ''جنگ'' کی کامیابی کی منزلوں اور اپنے اخبار کو صنعت بنا دینے کے دعوے کو دیکھا جائے تو عجیب بات یہ سامنے آتی ہے کہ جیسے جیسے ملک تباہ ہوتا گیا قوم منتشر ہوتی گئی، ''جنگ'' کی کامیابی کا گراف لکھ پتی سے کروڑ پتی اور کروڑ پتی سے ارب پتی کی طرف بڑھتا رہا۔

انجام کو شکست دینے کے لیے حربے

ابتداء میں چونکہ اس کا ہدف ''انجام'' کو شکست دینا تھا۔ اس نے اس کے لیے ہر قسم کی سنسنی خیزی، جنسی اور جرائم پر مبنی چٹ پٹے مواد اور عورت کے جسم کو اپنے اخبار کی مستقل خصوصیت بنا دیا۔ یہ ''جنگ'' تھا جس نے ''انجام'' کو چت کرنے اور اپنی ''جنگ'' زرگری میں ایک نئے بنتے ہوئے ملک اور معاشرے اور وہ بھی پاکستان جیسے نوزائیدہ ملک کے نظریاتی اور دینی پس منظر کا احساس کیے بغیر محض چند پیسوں کے لیے وہ پاکستانی معاشرے اور عوام کو کدھر لیے جا رہا ہے۔ اس نے جو طرز عمل صحافت میں اختیار کیا کیا یہ ملک اور قوم اس کی سزاوار تھی؟

عریانی، فحاشی سنسنی خیزی کا بانی: جنگ

''جنگ'' نے ابتدا سے ہی یورپ سے درآمد شدہ جنگل کہانیوں مہم جو اور سنسنی خیز واقعات پر مبنی صفحات کے صفحات بھرنے شروع کر دیے تھے۔ شاید بالکل ابتدائی دنوں کی ایک جنگل کی مہم والی مس جین ڈولنگر کی لمبی تڑنگی ننگی ننگی ٹانگوں والی اور نیم کھلے ہوئے سینوں کے ترغیبی حربوں والی کہانی قارئین اب بھی نہ بھولے ہوں گے۔ اسی طرح مسلسل اسی قسم کی کہانیوں کا جس میں ٹارزن اور مینڈرک کی کہانیاں بھی شامل تھیں جس میں کہیں جنگل اور کہیں سائنس فکشن میں کدکڑے لگاتی ہوئی نت نئی حسیناؤں کے ذریعے پورے جنسی استحصال کے ساتھ عوام کو ''جنگ'' خریدنے پر آمادہ کیا گیا [یہ عمل پاکستان کے کسی اخبار میں اس سے قبل دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ کیا یہ کسی بھی صحافتی یا سیاسی روزنامہ کی حیثیت میں کسی ملک کی صحافت میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے ہوا تھا] یہ ناپاک سلسلہ اسی قسم کے پراسرار اور جنسی ترغیب کے واقعات پر مشتمل قصے کہانیوں اور خبروں سے لے کر یہاں تک پہنچا ہے کہ ہمارے ملک کے اس سب سے بڑے اور قومی اخبار میں ایک بہت مشہور اسکینڈل کی ایک آبرو باختہ عورت کے اس بیان کو فرنٹ پیج پر خوب نمک مرچ لگا کر شائع کیا گیا کہ اس کے جنسی عمل کا دورانیہ کیا ہے۔ فلمی تصاویر، اشتہارات اور فلمی اداکاراؤں کی نیم برہنہ تصاویر و واقعات کو نمایاں کر کے شائع کرنا تمام اخبارات میں سب سے زیادہ اور سب سے پہلے ''جنگ'' نے ہی اپنی نمایاں خصوصیت بنایا تھا۔ یہ وہ حرکات اور ذہنیت تھی جس کی وجہ سے ''جنگ'' کا معیار ہمیشہ ایک مبتذل سطح پر رہتا تھا جو ہمارے جنسی اور جرائم پر مبنی ڈائجسٹوں کا انداز ہے۔ اس کی سنسنی خیز خبریں، ایکسپلائٹ کرتی ہوئی

نثر والے مضامین سب ایک ابتذال اور گھٹیا فضا میں لپٹے رہتے تھے اور آج تک ''جنگ'' نے اپنی اس سطح سے اوپر اٹھنے کی کوئی کوشش کبھی نہیں کی چنانچہ اس کے ہتھکنڈے کامیاب ہونے شروع ہوئے۔ جب ''انجام'' نے دیکھا کہ ''جنگ'' اس طرح سے بازی لے جائے گا تو اس نے بھی اسی قسم کی تمام حرکتیں اپنے اخبار میں اختیار کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ مگر ایک تو وہ اس قسم کے ہتھکنڈوں کا عادی نہیں تھا۔ دوسرے اب اس کے وسائل ''جنگ'' کے مقابلے میں بہت کمزور تھے وہ اس مہم میں کامیاب نہیں ہوا مگر پھر بھی ''انجام'' پڑھنے کی عادت اب عوام کی خاصی بڑی تعداد کی عادت ثانیہ بنی ہوئی تھی۔ اس کا توڑ کرنے کے لیے ''جنگ'' نے جو ناپاک مجرمانہ، غلیظ اور سازشی حربے استعمال کیے وہ اس زمانے میں تو خیر خواب وخیال میں بھی نہیں آ سکتے تھے مگر آج بھی اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

حقیقت احوال یہ ہے کہ ہمارے اس ملک خداداد میں ابتدا سے ہی ایسے عناصر کامیاب ہوتے رہے جو بدترین اور ناپاک ترین حرکتوں سے سہی مگر کسی طرح اقتدار، روپیہ اور شہرت حاصل کر لیں اسی کا نام کامیابی بن گیا تھا۔ اب تو خواہ اقتدار ہو یا صحافت اس قسم کی گندی سازشوں، مفاد پرستی، بلیک میلنگ اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے نام کے علاوہ کسی قدر، اصول، تصور اور عمل کا ہمارے معاشرے اور اجتماعی زندگی میں عمل دخل نہیں رہ گیا ہے۔ ہر قدم بد سے بدتر کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ہاں اس کی ابتدا صحافت میں صرف ''جنگ'' نے کی تھی۔

''انجام'' کو تباہ کرنے کے لیے جنگ کے ہتھکنڈے:

میں اس زمانے میں مستقل ''انجام'' پڑھتا تھا جس کی عادت ۱۹۴۷ء سے ہی میرٹھ ہی میں باقاعدہ پڑ گئی تھی کہ ایک دن اچانک ہاکر نے ''انجام'' کی جگہ ''جنگ'' ڈالنا شروع کیا۔ سخت کوفت ہوئی مگر وہ صبح کسی وقت اخبار ڈال کر نکل جاتا۔ اس کو ٹوکنا بھی فوراً ممکن نہ تھا وہ تو مہینہ ختم ہونے میں چند دن باقی تھے لہٰذا جب وہ بل لے کر آیا تو میں نے اسے سخت تنبیہہ کی اور کہا کہ اگر آئندہ ایسا کیا تو میں ایک پیسہ نہیں دوں گا۔ مگر چونکہ اس قسم کی حرکات پہلی بار ہوئی تھیں لہٰذا اس کا چرچا بھی ہوا اور کچھ لوگوں نے مجبوراً جنگ ہی پڑھنا شروع کر دیا۔ میری تنبیہہ کا اثر کچھ دن تک رہا مگر پھر یہ سلسلہ شروع ہوا کہ ہفتے میں دو دو دن کے وقفے سے پھر ''جنگ'' پڑنا شروع ہوا، ہمیشہ ''جنگ'' ہی پڑتا تھا کوئی دوسرا اخبار نہیں۔ میں نے پھر ٹوکا تو ہاکر نے کہا کہ ''انجام'' ہم کو ملتا ہی نہیں تو ہم کیا کریں۔ میں اس حرکت پر اتنا مشتعل تھا کہ میں نیوز ایجنسی جا پہنچا۔ انھوں نے ایک نئی کہانی سنائی کہ صاحب ''انجام'' صبح وقت پر نہ چھپتا ہے اور نہ وقت پر تقسیم ہوتا ہے تو ہم کیا کریں۔ مگر یہ بات کسی طرح بھی میرے دل کو نہیں لگی جو اخبار پاکستان بننے سے پہلے بھی پابندی سے چھپتا رہا ہو اور ملتا رہا ہو اور پھر قیام پاکستان کے بعد اور اس وقت بھی جب ''انجام'' کراچی میں منتقل ہوا تھا اور نئی جگہ پوری

طرح قدم بھی نہ جمے تھے تب بھی وہ وقت پر ملتا رہا تو اب اس میں اتنی بدنظمی پیدا کیسے ہوسکتی ہے؟ چنانچہ میں نے امروز پڑھنا شروع کر دیا مگر آخر میرا تعلق یہاں کے صحافیوں کے حلقے اور لکھنے پڑھنے والے تمام اداروں اور افراد سے تھے۔ مجھے یہ ٹوہ رہی کہ ''انجام'' کے ساتھ کیا ہوا تب جنگ کی ان مذموم حرکتوں اور سازشوں کا حال معلوم ہوا جس کے ذریعے وہ ''انجام'' کو فیل کرنے اور اس کی جگہ اپنی ناپاک کوشش سے ''جنگ'' پڑھوانا چاہتا تھا۔ ''انجام'' کی عادت توڑنے کے لیے صرف ہاکرز کے ذریعے ''انجام'' کی جگہ ''جنگ'' ہی نہیں ڈلوایا گیا بلکہ اپنے اثرات، روپیہ پیسے اور حکام سے ساز باز کر کے اپنی نیوز ایجنسیاں قائم کی گئیں اور ڈسٹری بیوٹرز کو خریدا گیا۔ زرگری اور ناپاک ذہنیت کی اس اسکیم سے ایک مسلسل اور مستقل مسلم لیگی اخبار کے ناکام ہوجانے کا تاثر دیا گیا۔ عثمان آزاد کو بھی بدنام کرنے کی مہم شروع ہوئی اور پھر ''جنگ'' کی قبیح حرکتیں یہاں تک پہنچیں کہ شہر کے اسٹالوں سے ''انجام'' کے بنڈل کے بنڈل خرید کر جلا دیے جاتے تھے۔ [شاید ان ہی حرکات کی سزا اب ''جنگ'' کو مل رہی ہے۔ مکافات کا عمل دیر سویر میں ضرور ہوتا ہے چلیے یہاں نہ سہی وہاں سہی] اور اس طرح عوام کو چند دن میں یہ باور کرا دیا گیا کہ ''انجام'' بدانتظامی کی وجہ سے فیل ہو رہا ہے۔ اخبار کی عادت کا ایک نقصان دہ پہلو ہر اخبار کے لیے یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ اخبار وقت پر اور مسلسل نہ ملتا رہے تو اس کے قاری اس سے بددل ہوجاتے ہیں۔ ''انجام'' کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اب وہ خود تو نہ فیل ہوا، نہ بدانتظامی کا شکار مگر اسے فیل کرانے میں ''جنگ'' کی مذموم حرکتوں کا سب سے بڑا ہاتھ تھا۔ ایک اخبار کی اس قسم کی حرکات سے ہی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ پاکستانی معاشرے کو ابتدا سے ہی جس قسم کی سیندھ لگائی گئی تھی جو گندگی اس میں پیدا کی گئی تھی۔ زرگری، مفاد پرستی اور کمینگی کا جو کھیل اس اخبار نے کھیلا تھا وہی اقتدار کی سطح پر بھی کھیلا جا رہا تھا۔ پورا معاشرہ اس کی زد پر تھا۔

ملکی اور قومی مفاد کے خلاف سودے بازی میں کیا شک ہوسکتا ہے؟

جنگ کی ان حرکات سے ہر معمولی استعداد کا آدمی بھی یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس حد تک ناپاکی اور مجرمانہ حرکات یہ اخبار اگر اپنے صرف ایک معاصر حریف اخبار کو فیل کرنے کے لیے انجام دے سکتا ہے تو اس قسم کی گندی حکومتوں، اقتدار کے بھوکوں اور اپنے مفاد کے لیے وزیروں اور حکام بالا کو خوش کرنے کے لیے وہ کہاں تک چلا جاسکتا ہوگا؟ جو کام اس قومی اخبار نے اتنے معمولی مفاد کے لیے اتنی دیدہ دلیری سے انجام دیا تھا۔ کیا اسے ملکی اور قومی مفاد کے خلاف کسی بڑی سے بڑی سودے بازی اور سازش سے کوئی عار ہوسکتا ہوگا؟ بالآخر ''انجام'' اپنے انجام کو پہنچا دیا گیا۔ لیکن آپ اس کی اس ذہنیت کو کیا کہیں گے کہ وہ کراچی سے سوائے ''جنگ'' کے کسی اور اخبار کو کامیاب نہیں ہوتے دیکھ سکتا تھا۔ یہ بھی ابتداً تھا۔ اب تو اس نے پورے پاکستان کو اپنا ہدف بنا لیا ہے کون سی جگہ ہے جہاں سے ''جنگ'' نہیں نکل رہا ہے۔ پیپلز پارٹی کی اس

ذہنیت کا اگر کوئی مثنیٰ ہے تو روزنامہ ''جنگ''۔ اپنا اقتدار پورے ملک پر اس طرح مسلط کیا کہ سوائے اس گھنٹہ گھر کے اور کوئی چیز نہ دکھائی دے اور ہر سڑک اسی طرف جائے دراصل یہ ذہنیت صرف ایک اخبار یا کراچی کے کسی بھی اخبار سے مسابقت کی نہیں تھی بلکہ اس کے ان بدنہاد اور گندگی پھیلانے والے عزائم کی ہے جو شروع سے لے کر چل رہا ہے۔ چنانچہ جب کراچی سے فخر ماتری صاحب نے حریت نکالنے کا ارادہ کیا تو وہ ''جنگ'' کی اس ذہنیت، سازشوں اور مجرمانہ حرکات سے پوری طرح باخبر تھے۔ اور اسی لیے انھوں نے سب سے پہلے ''جنگ'' کی مونوپولی توڑنے کے لیے ڈسٹری بیوٹرز اور نیوز ایجنسی کے ذریعے اخبار تقسیم کرنے کی جگہ ہاکرز کی انفرادی ٹیم سے کام لیا اور اخبار کو اشاعت اور گیٹ اپ کے لحاظ سے اسے ''جنگ'' سے کہیں بہتر طور پر نکالا بھی مگر وہ ''جنگ'' کا مقابلہ اس کے مضبوط اور بڑے سرمایہ، اثرات، حکومت سے ساز باز، اخبار کے ننگے پن اور ہر قومی ذمہ داری سے نچنت ذہنیت کی بنا پر نہیں کر سکے جس کو ''جنگ'' نے بقول اس کے صنعت بنا دیا تھا اور ہمارا خیال ہے کہ اس نے حکومت کے اندر ایک اور حکومت قائم کر لی تھی۔

جنگ اپنے دفاع میں کیا کہہ سکتا ہے؟

اس صورت حال کا کیا ''جنگ'' کو احساس ہے؟ کچھ عرصہ قبل تک تو میر خلیل الرحمان کبھی ضمیر کے پریشر میں آ کر کچھ اعترافات یا شرمندگی کا اظہار کر بھی لیتے تھے مگر اب تو وہ سینہ تان کر کبھی اجتماعی ذہنیت پر کبھی اپنی نام نہاد حقیقت پسندی کے نام پر اور کبھی معاشرے کے ایک عمومی طرز عمل کا حصہ ہونے پر اپنی کامیابیوں پر کافی نازاں نظر آتے ہیں اور یہ فخریہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی یہ کامیابی صرف ان کی اپنی محنت کا نتیجہ ہے، اگر اس کو واقعی کامیابی قرار دیا جا سکتا ہو تو؟ البتہ اگر آپ انھیں کسی فورم پر لا کر اس صورت حال پر ان سے سوال کریں گے تو جنگ والے اپنا دفاع مندرجہ ذیل تین نکات پر کریں گے!

(۱) ''جنگ'' ایک اخبار ہے اور اس حیثیت سے اس نے ملکی اور غیر ملکی ہر خبر، صورت حال، واقعہ اور اسکینڈل کو بالکل غیر جانبدار رہ کر اپنے قارئین تک پہنچایا ہے اور یہی کسی اخبار کی کامیابی کا عالمی معیار ہے۔

(۲) اگر ''جنگ'' اپنے اخبار کی مقبولیت اور مالکان کے مفاد کے لیے سنسنی خیزی، جذباتیت، اسکینڈل بازی، جنسی چٹخارے اور عورت کا استحصال کے اعتبار سے معاشرے کو کردار کے بحران اور منافقانہ طرز عمل کا درس دیتا رہا ہے تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ قارئین کی اکثریت اور عوام دراصل وہی چاہتے ہیں جو جنگ پیش کرتا ہے ورنہ ہر قسم کے معیاری اور اچھے سیاسی اخبارات عوام میں کیوں نہیں مقبول ہو گئے۔ اس کے سیدھے معنی یہ ہیں کہ عوام وہی چاہتے ہیں جو ہم چھاپتے ہیں اور ایک اخبار کو وہی چھاپنا چاہیے جو عوام چاہتے ہیں۔

(۳) ہم نے اپنے اخبار کے ذریعے ہر طبقے اور حلقے کی پسند کا خیال رکھا ہے اور ان کی خواہشات کو نمائندگی دی ہے۔ اس لیے ہمارا اخبار پاکستان میں سب سے زیادہ مقبول ہوا ہے۔

جنگ سے پہلے عوام دوسرے اخبار کیوں پسند کرتے تھے؟

میرا خیال ہے کہ روزنامہ ''جنگ'' اور میر خلیل الرحمان صاحب کو یہ شکایت نہیں ہونی چاہیے کہ مندرجہ بالا تینوں نکات میں ان کے جذبات کی ترجمانی ہی نہیں کی گئی ہے بلکہ ایک آدھ بات تو ایسی بھی بات ان میں بیان کر دی ہے کہ ان کے کسی وکیل کو بھی نہیں سوجھتی۔ لہٰذا میری غیر جانبداری پر تو ان کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے؟ اب اس سے قبل کہ میں ان نکات کا نکتہ بہ نکتہ جائزہ لوں، اس سلسلے میں دو ایک باتیں از رہ امتثال امر عرض کر دوں تو بہتر ہے ''جنگ'' کی مقبولیت کا معاملہ اتنا سیدھا سادا تو نہیں کہ عوام کی پسند کے مطابق اخبار کو نکال لیا اور وہ ایک دم مقبول ہو گیا۔ آخر وہ اخبارات جو کبھی ''جنگ'' سے بھی زیادہ مقبول تھے اور کسی زمانے میں تو ان کے سامنے جنگ کا چراغ بھی نہیں جل پاتا تھا۔ ان کی پسندیدگی کے بھی اسباب تھے اور وہ یقیناً وہ اسباب نہیں تھے جس سے ''جنگ'' نے کام لیا آخر ان کو بھی عوام ہی پسند کرتے تھے۔ دیکھا آپ نے معاملہ اتنا آسان تو نہیں ہے۔

جنگ نے مقبولیت کے لیے کتنی گھناؤنی حرکتیں کیں:

''جنگ'' نے تو ابتدا سے جن چیزوں کو ایکسپلائٹ کیا اس کو اتنی کامیابی تک لانے میں اور پھر معاشرے کو اس میں غرق کرنے میں ''جنگ'' کو کتنے پاپڑ بیلنے پڑے، کتنی گھناؤنی حرکتیں کرنا پڑیں، زرگری کے کتنے ہی ہتھکنڈوں کو استعمال کرنا پڑا تب کہیں جا کر ''جنگ'' مقبول ہوا۔ کیا عوام اس سے واقف ہیں کہ ان کے محبوب روزنامے نے پاپولر بننے کے لیے وہ کون سا اخلاقی، سماجی اور نظریاتی جرم نہیں تھا جس کا ارتکاب نہ کیا ہو اور وہ کون سا قومی اور ملکی اصول نہیں تھا جس کو نہ توڑا ہو؟ کیا اس کی مقبولیت یہ سب کچھ معلوم ہونے کے بعد بھی باقی رہتی؟ دوسری بات یہ کہ ہر قسم کی بدعنوانی کے ارتکاب کے بعد اگر اقتدار یا سرمایہ یا شہرت حاصل کر لی جائے تو کیا اس پر فخر کرنا یا اسے جائز قرار دینا یا اسے اپنا حق مادری سمجھنا کسی اصول سے بھی درست ہو سکتا ہے؟ پھر یہی نہیں بلکہ ہر بے ایمان، بے کردار اور بد دیانت اقتدار کی طرف سے معاشرے میں ہونے والے ہر قسم کے جرائم حتیٰ کہ قوم فروشی اور ملک فروشی تک کے جرائم سے چشم پوشی کے کیا یہ معنی نہیں ہیں کہ ہر بد دیانت نے جو کچھ کیا اچھا کیا؟ یہ عمل تو ایک ہی اصول پر درست ہے یعنی جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے اصول پر۔ اور اس پر قائداعظم کے بعد چند لوگوں کو چھوڑ کر پاکستان کے اقتدار کا زیادہ تر انحصار رہا ہے۔ کیا اس صورت میں غلام محمد جیسے سازشی بیوروکریٹ یا سب سے پہلے ایک فوجی اقتدار پسند نے تحریک آزادی کے تمام خوابوں کو ملیامیٹ کر کے اور تحریک پاکستان کے تمام اصولوں کو روند کر اور ان پڑھ مسلمان عوام کی اکثریت کی خواہشات کو دھوکہ دے کر جس طرح پاکستان پر قبضہ جما لیا تھا آپ ان کی کامیابی کو پاکستانی عوام کی خواہشات کا نتیجہ یا ان مفاد پرستوں کو پاکستان کے مخلص لیڈروں کے مقابلے پر ہم انھیں اقتدار کا اصل حق دار اور انھیں آئیڈیل حکمران یا

پاکستانی معاشرے پر حکومت کا بہترین نمونہ کیسے قرار دینے لگیں؟ عملاً یہی ہوا ہے مگر ''جنگ'' کی تمام کوششوں کے باوجود اور پاکستان اور اسلام کو گالی دلوانے اور ان کی معاشرتی اقدار کی پامالی کے باوجود اب تک اسے اس میں پوری طرح کامیابی نہیں ہوئی ہے کہ ہم غلام محمد یا جنرل ایوب خان کو یا اسکندر مرزا یا یحییٰ خان اور بھٹو کو قائداعظم پر ترجیح دینے لگیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح غلام احمد اور ایوب خان نے قائداعظم کے اصولوں، قیادت، کردار اور تقاضوں کو پامال کر کے اقتدار پر قبضہ جمایا تھا۔ روزنامہ ''جنگ'' نے بھی اسی طرح قومی اور تحریک آزادی کے اخبارات کے اصل کردار اور تاریخ کو کامیاب سیاسی اخبارات کے تمام اصولوں اور خدمات کو پامال کر کے پورے معاشرے کو بدعنوانیوں اور مفاد پرستی کے کھیل میں خوب سوچ سمجھ کر ملوث کیا ہے اور اس ناپاک عمل میں بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ یہ تو ایک طویل جملہ معترضہ تھا آیئے اب ''جنگ'' کے حق میں ان دفاعی نکات کا جائزہ لیں جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔

جنگ کس معاشرے کا ترجمان ہے؟

(۱) کیا ''جنگ'' قیام پاکستان کے بعد نکلا تھا؟ کیا وہ اس وقت جاری ہوا تھا جب ملک میں اقتدار اور مفاد پرستی کی ''جنگ'' شروع ہو چکی تھی؟ اور پاکستانی معاشرہ تحریک آزادی اور جدوجہد پاکستان کو اس کے فوراً بعد بھلا چکا تھا یا عوام نے جب پانچ سال بعد اوپر کے ہر عمل سے مایوس ہو کر بھٹکنا شروع کر دیا تھا۔ ''جنگ'' دراصل اس وقت ان کی ترجمانی کرنے کے لیے نکالا گیا تھا؟ بھئی روزنامہ ''جنگ'' کا تو قیام پاکستان سے قبل ہی اجرا ہو چکا تھا۔ اس نے تو مسلم لیگ کی بھرپور جدوجہد پاکستانی عوام کے جوش و جذبے اور پاکستان کے لیے جان و مال، عزت ہر قربانی کا پورا مشاہدہ کیا تھا۔ جب اس کا اجراء ہوا تو وہ مسلم لیگ کی وفاداری میں اس کے حقیقی وفاداروں سے بھی بڑھ چڑھ کر نعرہ بلند کر رہا تھا پھر ''جنگ'' کون سے معاشرے کا ترجمان بنا ہوا تھا؟

جنگ نے عوام کو کن قبیحات میں مبتلا کیا؟

یہ سوال میں نے اس لیے کیا ہے کہ یہ بتا سکوں کہ روزنامہ ''جنگ'' کو قیام پاکستان سے قبل اور اپنی ابتدا کے روز اول سے اچھی طرح معلوم تھا کہ پاکستانی معاشرہ کا تصور اور اس کے تقاضے ان عمومی معاشروں جیسے نہیں تھے جو اطراف واکناف عالم میں پائے جاتے ہیں جب کہ برصغیر کی ایک بڑی قوم نے جو دس کروڑ افراد کی کثیر تعداد رکھتی ہے جو دنیا میں کسی ایک مسلم اکثریت کے مقابلے پر سب سے زیادہ تھی۔ اس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ مکمل طور پر ہندوؤں کی غلامی میں آنا نہیں چاہتی اور تقسیم ہند چاہتی ہے تاکہ مسلم اکثریت کے علاقوں میں اسلامی معاشرت [اسلامی مملکت کا دعویٰ کیا گیا تھا مگر میر خلیل الرحمٰن کو زیادہ سہولت بہم پہنچانا چاہتا ہوں کہ دروغ برگردن راوی سنا ہے کہ اب وہ ان کروڑوں مسلمانوں کے اس مطالبہ کا بھی مضحکہ اڑاتے ہیں اور اسے ایک جہالت، حماقت، جھوٹ اور بے شعوری قرار دیتے ہیں] قائم کرنے کے لیے

ایک ایسی ریاست چاہتی ہے جس میں مسلمان اپنے عقائد، رسوم و رواج کے مطابق زندگی بسر کرسکیں [حضور یہ قائداعظم کے الفاظ ہیں کسی عالم دین کے نہیں] اور حقیقت یہ ہے کہ اس تصور کے بغیر پاکستان بننے کا کوئی سوال یا جواز تھا بھی نہیں۔ چنانچہ پاکستان کا مطالبہ کم از کم ایک بامقصد اسلامی معاشرہ قائم کرنا تھا جو مسلمانوں کی دینی، تہذیبی، سیاسی اور ثقافتی طرز زندگی کا ایک عکاس ہو اور روزنامہ ''جنگ'' کے دہلی اور ابتدائے پاکستان کے مالکان [خواہ وہ اب کہیں بھی قلابازی کھا گئے ہوں] کو اس پس منظر میں یہ تو تسلیم کرنا ہوگا کہ ایک بامقصد اسلامی معاشرے کے تقاضے کسی مغربی عیسائی، ہندو، کمیونسٹ اور بدھ معاشرے جیسے ہرگز نہیں تھے اور وہ اس حقیقت سے پاکستان کے قائم ہونے سے پہلے ہی واقف تھے تو ان کا غیر جانبدارانہ صحافت کا دعویٰ اور اخبار ''جنگ'' میں ابتداء سے ہر قسم کی سنسنی خیز، جرائم پر مبنی واقعات اور اسکینڈلز کے ساتھ عورت کے جسمانی ایکسپلائٹیشن کا مسلسل عمل اور پاکستانی عوام کو ان سے باخبر اور واقف رکھنے کے لیے یہ ''خیر جاریہ'' اپنے اندر ایک تضاد رکھتا ہے۔

جنگ نے گن گن کر اور چن چن کر ہر قدر مسخ کی:

جب کہ روزنامہ ''جنگ'' کا فائل دلی سے ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء تک اور اس سے آج تک یہ گواہی دے گا کہ روزنامہ ''جنگ'' نے جن قبیحات میں پاکستان کے معصوم اور ناخواندہ عوام کو ابتدا سے ملوث کرنے کی کوشش کی تھی یا تو اس نے یہ جان بوجھ کر کیا ہوگا ورنہ انجانے پن کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہے کیونکہ آپ کا اخبار ابتداء میں مسلم لیگ اور پاکستانیوں کو ایکسپلائٹ کر رہا تھا۔ اب یا تو اس اخبار کو اس نئے معاشرے کے قیام اور اس کے مقاصد اور عوام کے خوابوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی یا پھر آپ اپنے اخبار کے ذریعے اس کے خلاف ہر وہ اقدام ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کرنا چاہتے تھے جس کا ہدف اسلامی معاشرہ یا اسلامی معاشرت تھی۔ اور اسی لیے اخبار ''جنگ'' نے گن گن کر اور چن چن کر پاکستانی معاشرے کی ہر قدر کو مسخ کرنے کا پورا اہتمام کیا اور اسلامی مملکت کے قیام کے ساتھ ہی اس میں ننگے پن، سنسنی خیزی، جرائم پیشگی، عورت کے استحصال، پاکستانی نظریات کی بیخ کنی، سیاست میں جذباتیت کا گھناؤنا کاروبار، حکومت کی خوشامد، حکام کی کاسہ لیسی، تمام قومی امور میں بے بصیرتی، فرقہ پرستی سے نسل پرستی تک ہر گھناؤنا عمل محض اپنی مفاد پرستی کے لیے انجام دیا اور اور ایک نئی قوم اور نئے ملک ملک کو اس کی ابتدا ہی سے منصوبہ بنا کر ایک سطحی، مبتذل، جنسی ترغیب پر مبنی صحافت میں غرق کر دیا۔

جنگ مغربی صحافت کے معیار سے بھی مطابقت نہیں رکھتا:

اب فرض کیجیے کہ ہم اس پس منظر سے فی الوقت قطع نظر کرلیں اور یہ مان بھی لیں کہ ''جنگ'' کے مالکان نے اپنے اخبار کو پاکستانی معاشرے کی اقدار کی جگہ مغربی انداز کی صحافت اور ان اخبارات کی طرز پر نکالا

ہے جو نیوز، معلومات، بین الاقوامی واقعات اور انوکھی خبروں اور مختلف طبقات کی ضروریات کے مطابق خصوصی سپلیمنٹ شائع کرتے ہیں [البتہ ویوز کا معاملہ ٹیڑھی کھیر تھا کہ وہ نہ ''جنگ'' کے کبھی رہے ہیں اور نہ اس کی اس میں صلاحیت ہے وہ تو ایک خالص تجارتی مقاصد کے لیے نکالا گیا ہے۔ لہٰذا نیوز ویوز کا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ بعد میں ویوز بھی دوسروں کے لیے باہر کی صحافت کے مقابلے پر وہ ایک کمی ہے جسے ''جنگ'' والے بھی کھلے دل سے تسلیم کرتے تھے] اگر یہ بات آپ کو خوش کرتی ہو تو شاید آپ کو انگریزی صحافت کی تاریخ سے اتنی واقفیت تو ہوگی کہ مغربی پریس کو بھی آپ ایک بامقصد معاشرے کو تعمیر کرنے اور اپنی قوم کو ایک ترقی یافتہ، مہذب اور بااصول قوم بنانے کے عمل سے نہ خارج کر سکتے ہیں اور نہ وہاں کی صحافت کو ''اپنی جیسی'' غیر جانبدار صحافت قرار دے سکتے ہیں۔ اپنے مضامین میں جس جنٹلیمن سے مخاطب ہوتے تھے اور اس کی تعریف کرتے نہ تھکتے تھے۔ جنٹلمین کا وہ تصور مغرب کی ہی صحافت سے تو ان کے یہاں آیا تھا۔ کیا روزنامہ ''جنگ'' کو یہ یاد دلانے کی ضرورت ہے کہ لندن کے معاشرے کو ایک مہذب قوم بنانے میں اسپیکٹیٹر ٹیٹلر اور لندن پنچ نے کیا کیا خدمات انجام دی تھیں اور سماجی اور اخلاقی اقدار کے وہ کون سے اسباق پڑھائے تھے کہ آج جب وہ اقتدار سے محروم ہو کر سماجی انحطاط اور سیاسی زوال کی زد پر ہے۔ تو آج بھی ان کے سماجی اصول انفرادی اخلاقیات سے لے کر اجتماعی بہبود تک ہم سے کہیں بہتر ہیں [اور ایک ہم ہیں کہ جو ہر وقت اتنے بڑے مذہب، اتنی مکمل کتاب اور انسانیت کے سب سے بڑے پیغامبر کا خود کو پیرو کہتے ہیں] انگریزی صحافت نے یہ کام کسی مذہبی اسپرٹ میں انجام نہیں دیا تھا نہ انھوں نے کسی غیر قوم کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لیے کوئی آزادی کی جدوجہد کی تھی اور نہ انھیں کوئی نئی مذہبی یا غیر مذہبی مملکت قائم کرنا تھی۔ مگر یہ سب کو معلوم ہے کہ وہاں کی صحافت نے اپنی وہ سماجی، اخلاقی اور سیاسی ذمہ داریاں پوری کیں تھیں جو ایک باشعور قوم کے محبِّ وطن صحافی کو اپنے فرائض ادا کرتے ہوئے بجالانی پڑتی ہیں۔ کیا ''جنگ'' والے ان کی غیر جانبداری کے حوالے سے اب بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے قومی فریضہ ادا نہیں کیا اور صرف غیر جانبدار صحافت کو فروغ دیا؟

میر صاحب اکثر بعض اردو اخبارات اور صحافیوں کو حوالہ دیتے ہیں تو انھوں نے اردو پریس اور صحافت کی تاریخ کا تو یقیناً مطالعہ کیا ہے جس کی عمر کوئی ایسی زیادہ نہیں۔ تو یہ اردو صحافت بھی انگریزوں کی لائی ہوئی صحافت سے پیدا ہوئی تھی جس کے زیر اثر ہمارے یہاں پریس، اخبارات اور رسائل کے اجراء کا آغاز ہوا تھا۔ سرسید احمد خان نے اپنی اصلاحی تحریک کے آرگن ''تہذیب الاخلاق'' کو اسپکٹیٹر اور ٹیٹلر کے تتبع میں ہی جاری کیا تھا اور اپنے لیے جو سب سے بڑا منصب و کردار اور کام منتخب کیا تھا وہ ان اخبارات سے متعلق ہی نام تھے۔ اسٹیل اور ایڈیشن جنھوں نے لندن کے معاشرے کو جدید متمدن ذمہ دار اور مہذب قوم بنانے کا کام انجام دیا تھا۔ اس روشنی میں کیا انگریزی صحافت یہ مذموم دعویٰ کر سکتی تھی کہ نہیں جی ہمیں

معاشرتی ذمہ داریوں سے کیا کام ہم تو غیر جانبدار اور عوام کی پسند کی چیزیں شائع کرتے ہیں؟ اور پھر سرسید سے مختلف سوچ رکھنے والوں نے جب لکھنؤ سے اودھ پنچ نکالا اور اس کے سامنے بھی لندن کا ہی پنچ تھا جس نے منشی سجاد حسین اور اکبر الہ آبادی جیسے اہل قلم پیدا کیے۔ یہ ایک عام طالب علم بھی جانتا ہے کہ خواہ تہذیب الاخلاق ہو یا اودھ اخبار اور اودھ پنچ ہر جگہ صحافت نے نہ صرف ہمارے بہترین قومی دانشوروں کی کھیپ پیدا کی جنھوں نے مسلمانوں کے قومی شعور کی تعمیر اور ترقی کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب، اخلاقیات، تاریخ، تہذیب اور معاشرت کی بہترین اقدار کی آبیاری کی اور صرف یہی نہیں بلکہ وہ صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین تخلیقی افراد بھی تھے چنانچہ ان ہی اخبارات سے ہمارے جدید اصناف ادب کا آغاز ہوا، ناول نگاری، افسانہ نگاری، تنقید، مضمون نگاری، نظم اور پھر طنز و مزاح کا تو ایسا سرمایہ فراہم ہوا کہ آج بھی وہ دور ہماری بیسویں صدی کا سب سے اہم ادبی دور مانا جاتا ہے کیا یہ اخبارات نہیں تھے۔ کیا یہ صحافتی قوم سے خارج ہو گئے تھے۔

اردو صحافت کا مسلم نشاۃ ثانیہ میں کردار:

ذرا اپنے جدید ادب، صحافت اور سیاست کی تاریخ پر تو نظر ڈالیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس پہلے دور کی صحافت نے ہم میں نہ صرف ایک زندہ اور بیدار قومی شعور پیدا کیا جس سے ہمارے مذہب کی نشاۃ ثانیہ اور وہ نظریاتی قوت پیدا ہوئی جس نے اسی دور میں قومی تحریکات کو جنم دیا اور جب اس سے اگلا صحافت کا دور آیا تو برصغیر میں آزادی کی تحریکات کا جوش اور ہمہمہ پیدا ہو چکا تھا اور اس دور میں یہ ہمارے اخبار اور ان کے لکھنے والے ہی تھے جنھوں نے برصغیر کے مسلمانوں کو سیاسی اور قومی قیادت فراہم کی جن کی قومی امنگوں، بے باکی اور ہندوؤں کے خلاف جہاد نے تحریک آزادی کو بال و پر عطا کیے ورنہ اگر صرف ہندو پریس ہوتا تو ہندوستان کی آزادی شاید پچاس سال پیچھے چلی جاتی۔ یہ مسلمان صحافت اور اخبارات کی جگر داری تھی جس نے ہمیں آزادی کی ''جنگ'' لڑنے والی قوم ہی نہیں بلکہ بڑے مقاصد رکھنے والی قوم بنایا۔ کیا کوئی مذکورہ بالا اخبارات اور رسائل کے ساتھ الہلال، البلاغ، کامریڈ، ہمدرد اور زمیندار جیسے کتنے ہی اخبارات کے تاریخی کردار کو فراموش کر سکتا ہے۔ جس نے قوم کو، حالی، شبلی، اکبر الہ آبادی، سجاد حسین، عبدالحلیم شرر، اقبال، حسرت موہانی، اسماعیل میرٹھی، مولانا محمد علی جوہر، ابوالکلام آزاد، علامہ مشرقی، مولانا سلیمان ندوی اور ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا ظفر علی خان جیسے صحافی، شاعر، ادیب اور قومی رہنما عطا کیے اور اسی صحافت کا ثمر تھا کہ آزادی کی تحریکات کامیاب ہوئیں۔ مسلم قومیت کے حصول کے لیے قومی پلیٹ فارم مسلم لیگ کی صورت میں قائم ہوا۔ تقسیم ہند کا مطالبہ پورا ہوا اور اسی کے نتیجے میں ایک اسلامی مملکت کا قیام عمل میں آیا۔ ہماری صحافت کا یہ ایک غیر معمولی کارنامہ ہے جو مسلمانوں کی سیاست نے بیسویں صدی کی تاریخ میں انجام دیا۔ اس صحافت کو کیا ''جنگ'' تسلیم نہیں کرتا؟ اس سطح پر وہ خود کہاں کھڑا ہے۔ اس کا فیصلہ اگر وہ خود کر لے تو بہتر

ہے۔کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ جس قوم اور عوام کو مندرجہ بالا صحافت اور اخبارات نے کیا سے کیا بنا دیا تھا؟ کیا وہ قوم کوئی دوسری قوم تھی اور جس قوم کی جنگ نے ترجمانی کی وہ قوم کوئی دوسری قوم ہے۔

جنگ نے اردو اور انگریزی صحافت کی اقدار کو روند ڈالا:

حقیقت کے اس جائزے کے بعد کیا یہ کہنا بجا نہ ہوگا کہ ایک قسم کی صحافت اور اخبارات نے ایک مظلوم، غلام، پستی ہوئی، بے بس، ناخواندہ، قوم کو تاریخ گر، آزادی کی ''جنگ'' جیتنے والی حریت پسند قوم کو ایک نئے ملک کا خالق بنا دیا اور جب وہ فاتح بن کر ابھری تو ایک اخبار ایسا جاری ہوا جس نے اس کو قومی امنگوں، کردار، نصب العین کے خلاف سازشی عناصر اور مفاد پرست اور خودغرض طبقات کے ساتھ مل کر اسے وہاں پہنچا دیا جہاں اسے ہر قومی، مذہبی، اخلاقی، تہذیبی، ثقافتی اور سیاسی اقدار سے محروم کر کے فرقوں علاقائیت، ذاتوں اور نسلوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔جس نے ۳۵ سال کے اندر اندر اس ملک کو پارہ پارہ کر دیا اور اب وہ وقت آ گیا ہے جب وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسی ہو گئے ہیں۔کیا یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ جنگ نے صرف اپنے مفاد کے لیے صرف اپنی قومی صحافت کی تاریخ کو ہی نہیں بلکہ اس انگریز صحافت کی تمام اقدار کو بھی روند ڈالا ہے جس کے حوالے سے وہ غیر جانبدار صحافت کا لباس بڑے فخر سے زیب تن کئے ہوئے رہتا ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ جس معاشرے میں تعلیمی تناسب صرف ۱۳ فیصد ہو، جس معاشرے میں معاشی اور معاشرتی فرق و امتیاز کا گراف بڑھتا ہی چلا جا رہا ہو اور جہاں عوام غربت اور افلاس کی بے رحم لہروں پر بد سے بدتر سطح تک پہنچ رہے ہوں۔ جہاں قوم علاقائیت، فرقہ پرستی اور نسل پرستی کی زد پر پارہ پارہ ہو چکی ہو، جہاں ملک کا ایک حصہ کٹ گیا ہو دوسرا داؤ پر لگ گیا ہو وہاں کا سب سے بڑا قومی اخبار اپنی اس قوم اور ملک کو اس دلدل اور تباہی کے غار سے نکالنے کے بجائے لکھ پتی سے کروڑ پتی اور کروڑ پتی سے ارب پتی بننے کے لیے اسے خواہشات، خودغرضی اور نفس پرستی کے تمام اہم امراض میں مبتلا کر کے خود کو سب سے زیادہ کثیر الاشاعت قومی اخبار کہتا ہو یقیناً اس عمل کے ذریعے ایک نئی قوم اور نئی مملکت کو اپنے کرتوتوں، ذہنیت اور بداعمالیوں کی چاٹ کی بھینٹ چڑھا کر بانسری بجانے کے عمل سے ہی موسوم کیا جا سکتا ہے۔

جنگ نے قومی و سیاسی شعور بیدار نہ ہونے دیا:

کیا میر خلیل الرحمان اور ان کے اخبار ''جنگ'' نے اپنے گریباں میں منہ ڈال کر ایک بار بھی اس مسئلہ پر غور کیا ہے کہ وہ ایک ایسے نوزائیدہ ملک میں جیسا پاکستان تھا جس کے معصوم اور بھولے بھالے عوام اور شہری جو ایک اچھے معاشرے اور بہتر زندگی کے خواب دیکھتے ہوئے اس ملک کے شہری بنے تھے جن کو غربت، افلاس نے صدیوں سے گھیر رکھا تھا جن کا استحصال تمام مفاد پرست اور مقتدر عناصر کرنے میں جانے کب سے لگے ہوئے تھے جن کا تعلیمی تناسب دنیا میں سب سے نچلی سطح تک پہنچ رہا تھا، ان کو زیادہ بصیرت،

زیادہ سیاسی شعور کی ضرورت تھی نا؟ جن کو ایک مہذب، با اخلاق اور کارآمد شہری بنانا ملک اور قوم کی اولین ذمہ داری تھی۔ کیا ''جنگ'' نے ایک لمحہ کے لیے بھی یہ فریضہ انجام دیا؟ نہ کہ اس نے ملک اور قوم کی بقا کے ساتھ کھیلنے والوں، پورے معاشرے کا استحصال کرنے والے، دغا باز، جھوٹی حکومتوں اور اقتدار کا گلے گلے ساتھ دیا۔ کیا یہ ایک باکردار صحافت اور اخبار کا واحد راستہ ہوسکتا تھا؟ نہ کہ پاکستانی عوام کو روز اول کی طرح دانہ و دام میں مبتلا کر کے مس ڈولنگر کی ننگی ٹانگوں سے لے کر پرتعیش پاکستانی فاحشاؤں کی چٹخارے دار داستانوں تک اور ہر قسم کی بدکرداری میں مبتلا کر کے ان میں کسی قسم کا قومی اور سیاسی شعور بیدار نہ ہونے دینا ہی ''جنگ'' کا اصل کارنامہ تھا؟ اب میر صاحب خود اس بات کا جواب پالیں تو زیادہ بہتر ہوگا کہ کیا پاکستانی قوم، پاکستان کے قائم ہوتے ہی وہی ڈیمانڈ کر رہی تھی جو جنگ نے اسے بغیر طلب کیے دینا شروع کر دیا تھا اور اتنی بات تو وہ بھی جھٹلا نہ سکیں گے کیونکہ اب بھی ایسے لوگوں کی تعداد کم نہیں ہے جو اس وقت باشعور اور بالغ ہو چکے تھے کہ ہمارا معاشرہ مجموعی طور پر اور ہماری قوم کی اکثریت قیام پاکستان کے تقریباً پانچ سال تک ایک ذمہ دار اور باکردار قوم رہی تھی اور اس بات کی منتظر رہی کہ اس کی قیادت، حکومت اور صاحب اقتدار طبقہ تحریک آزادی اور حصول انصاف کے دوران قوم سے کیے ہوئے وعدوں کو شاید اب پورا کرے شاید اب پورا کرے اور جب مسلم لیگ کی دیانت دار لیڈر شپ کو پیچھے دھکیل دیا گیا اور جمہوریت کو ایک مذاق بنا دیا گیا تو اس نے سیاست دانوں سے مایوس ہو کر ایوب خان کے مارشل لاء تک سے یہ آس لگائی کہ شاید فوج ہی جس سے اس کو بڑا جذباتی تعلق تھا وہ کر دکھائے جس کے خواب اس نے دیکھے تھے۔ مگر جب وہ ہر طرف سے مایوس ہوگئی تو اس نے خود کو حالت کے دھارے پر چھوڑ دیا۔ اب روزنامہ ''جنگ'' اس سوال کا جواب دے دے تو ہمارا ایک بڑا مسئلہ حل ہو جائے گا کہ اس دور میں روزنامہ ''جنگ'' نے قوم کو کون سا سیاسی شعور دیا یا انھیں حالات سے باخبر رکھنے کی کون سی کوشش کی جو ایک قومی اخبار تو چھوڑ دیجیے عام روزنامہ کا بھی فریضہ تصور کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے پڑھنے والوں کو اس کے مفاد اور بہتری کے حالات اور محرکات سے باخبر رکھے بلکہ ''جنگ'' نے تو اس وقت جو کچھ بویا تھا آج قوم اس کو کاٹ رہی ہے۔

وزیروں کی کاسہ لیسی، رشوت، کس لیے؟ کیوں؟

جہاں تک جنگ کے دفاع میں دوسرے نکتہ کا سوال ہے تو کیا روزنامہ جنگ کے مالکان واقعتاً اپنے آپ کو یا کسی کو یہ فریب دینے میں کامیاب ہو سکتے ہیں کہ انھوں نے قومی یا نظریاتی ذمہ داری تو بے شک پوری نہیں کی لیکن ایک اخبار یا روزنامہ کی ذمہ داری پوری طرح نبھائی ہے۔ اگر آپ نے پہلے نکتہ کی وضاحت کو غور سے پڑھا ہے تو شاید جنگ کے مالکان اب خود بھی اتنی آسانی سے اپنا یہ دعویٰ نہیں دہرا سکتے۔ فرض کر لیجیے کہ جنگ والے حقیقتاً یہی سمجھتے ہیں تو میں پاکستانی معاشرے کے ایک شہری کی حیثیت سے یہ پوری

ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ روزنامہ جنگ ہی وہ اخبار ہے جس نے اگر کوئی ذمہ داری پوری نہیں کی ہے تو وہ ایک روزنامہ کی ذمہ داری ہی تھی۔ یہ کس نیوز پیپر یا اخبار نے صحافت اور ملک کی صحافت کی تاریخ میں کیا تھا کہ وہ ملک کے تمام طبقات کو خوش کرنے کے لیے طرح طرح کے دانہ ودام دکھا کر ان کو اصل سیاسی حالات اور اقتدار کی سازشوں سے بے خبر رکھے اور اخبار کو رنگین چہروں، رنگین جسموں، رنگین واقعات اور رنگین معاشرے کی عینکوں کے حوالے کردے۔ یہ کس اخبار اور نیوز پیپر کا کردار رہا ہے کہ وہ ہر حکومت اور مقتدر طبقہ کو ہر قیمت پر خوش رکھے اور ہر آنے والے کا خواہ وہ کتنا ہی ناپاک، مفاد پرست کیوں نہ ہو آخر وقت تک ساتھ دیتا رہے اور جب اس کا ٹھہرنا محال نظر آئے تو اس کی پشت پر ایک لات لگا کر اس سے بدتر حکمرانوں کی ٹوہ چاٹنے لگے۔ یہ کون سا اخبار اور روزنامہ تھا جو حکومتوں کو خوش کر کے وزیروں کی کاسہ لیسی کر کے اور رشوت دے کر نیوز پرنٹ کے حصول کے لیے جھوٹے دعویٰ داخل کرے اور پھر ان کو بلیک میں بیچ کر جلد سے جلد کروڑ پتی بن جانے کی خواہش میں مبتلا ہو جائے۔ کیا یہ مجرمانہ عمل سب سے پہلے جنگ نے شروع نہیں کیا تھا؟

فحبہ گری کو رنگین صفحات کے ذریعے عوام کرنے کی بدعت:

یہ بدعت بھی اردو صحافت میں سب سے پہلے جنگ نے شروع کی کہ عوام کو عورتوں کے جسم و زاویوں اور ہر قسم کی فحبہ گری کو بڑے بڑے پوسٹر نما صفحات اور ایڈیشنز اور پھر باقاعدہ فلمی ایڈیشنز میں نمایاں کرنا شروع کیا تھا جس میں فلمی اداکاراؤں کے نیم برہنہ پوز، انٹرویو اور جنسی اسکینڈل شائع کر کے اور انھیں معاشرے کی سب سے اہم اور مثالی شخصیات بنا کر سب سے پہلے جنگ نے پیش کیا جس کا مقابلہ کرنے کے لیے دوسرے روزناموں کو بھی اس مذموم مہم میں حصہ لینا پڑا اور پھر اس نے ہر قسم کے فیشن، کھلاڑیوں، مذہبی اور نام نہاد ادبی ایڈیشنوں کی پریڈ کرادی۔ کیا اخبار جنگ اور میر خلیل الرحمان یہ بتا سکیں گے کہ یہ سب کچھ کہاں سے ایک اخبار یا ایک روزنامہ کا تقاضا تھا اور کیا جنگ سے قبل کسی اخبار نے ان قبیح حرکات ایکسپلائٹیشن اور پاکستانی معاشرے کو تباہ کرنے کے لیے اس قسم کے اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی بحران میں مبتلا کرنے کی کوشش کی تھی؟ میر صاحب نے تو تمام قومی اور نظریاتی چیزوں کو بکاؤ مال سمجھ کر دولت سمیٹی مگر انھوں نے سب سے پہلے کراچی کی صفحات کا چہرہ بگاڑنے اور پھر پورے ملک کے اخبارات کو تباہ کرنے میں اپنے اس قسم کے ناپاک، عیارانہ اور استحصالی حربوں سے کام لے کر سب کو اس برائی میں مبتلا کر دیا جسے وہ ہرگز پسند نہیں کرتے تھے۔ تقریباً ۱۹۶۰ء تک پنجاب بالخصوص لاہور اور دوسرے شہروں سے نکلنے والے اخبارات نے حقیقی صحافت اور روزنامہ کے اصل کردار کو باقی رکھنے کی کوشش کی اور جنگ جیسی صحافت سے بڑے حوصلے کے ساتھ مقابلہ کیا۔ ۱۹۶۰ء تک ملک کے باقی حصوں کے اخبارات میں ایڈیشنز کی وباء موجود نہیں تھی لیکن جب جنگ نے اپنی ناپاک کامیابی کے نشے میں اخبار سے بڑھ کر صنعت کا درجہ اختیار کیا۔

[کیسی بد بخت اور ناشدنی صنعت تھی یہ] اور دوسرے صوبوں کے مرکزی شہروں سے اپنے اس غلیظ عمل کو پھیلانے کا منصوبہ بنایا تو ان صوبوں کے اخبارات بھی مجبور ہو گئے کہ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے وہی بدعات اختیار کر لیں جو ایک شریف زادی کو جدید قحبہ خانوں میں نکو نہ بننے کی کوشش میں اس قسم کی حرکات کو اختیار کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں چنانچہ لاہور سے سب سے پہلے مشرق نے ان طریقوں کو پہلی بار اختیار کیا جو پنجاب کی صحافت میں اس سے قبل موجود نہیں تھے اور وہ واقعی روزنامہ اور سیاسی اخبار کی تعریف پر پورے اترتے تھے۔ کیا پاکستان کی صحافت کو بداعمالیوں، برائیوں اور استحصالی حرکات میں مبتلا کرنے کا اعزاز، ایسا اعزاز کہ جس پر جنگ فخر کر سکے؟ لہٰذا یہ جھوٹ ہے کہ وہ واقعی ایک روزنامہ یا اخبار ہے ایسا جھوٹ ہے جو آج تک صحافت کی تاریخ میں نہیں بولا گیا اس کے طفیل تو اب پوری قوم جھوٹ بولنا اپنے مفاد کا پہلا کامیاب حربہ سمجھنے لگی ہے۔

جنگ نے قوم و معاشرے کو پست ذہنیت تک پہنچا دیا:

میر خلیل الرحمان ابتداء میں کئی سال تک کسی بھی مجلس یا محفل میں شریک نہیں ہوتے تھے لیکن پھر وہ اپنی کامیابی سے اتنے سرشار ہوئے کہ وہ قومی فورموں اور اداروں کی سرپرستی کرتے ہوئے ان میں شرکت بھی کرنے لگے۔ ابتداء میں وہ قومی صحافت کے حوالے سے بات کرتے ہوئے شرما جاتے تھے اور کہتے کہ صاحب وہ زمانہ اور ہی تھا جب اخبار واقعی جہاد کرتے تھے، بار بار بند ہوتے تھے، ضمانتیں ضبط ہوتی تھیں، مدیروں کی گرفتاریاں ہوتی تھیں اور اس حوالے سے وہ مولانا حسرت موہانی اور مولانا ظفر علی خان کا ذکر ماضی بعید کی تاریخ کی طرح کرتے تھے۔ لیکن میر صاحب زمیندار تو قیام پاکستان کے بعد تک نکلتا رہا ہے۔ اس سے آپ نے اگر کچھ سیکھ لیا ہوتا یا اس کی روایت سے رشتہ جوڑ لیا ہوتا تو آپ کی دردمندی بھی سمجھ میں آتی مگر آپ نے شروع ہی سے پاکستانی معاشرے میں اباحیت پھیلانے، ننگی فلموں، ننگے ڈائجسٹوں اور اپنے ہی جیسے اخبارات اور رسائل کے لیے جو مشنری انداز سے کام کیا ہے اس نے اس قوم اور معاشرہ کو سفلی خواہشات اور پست سے پست ذہنیت تک پہنچا دیا ہے۔ جس سے اب وہ اٹھنا بھی چاہے بلند بھی ہونا چاہے تو نہیں ہو سکتی۔ ایک ناخواندہ معاشرے میں اگر اس کے ذرائع ابلاغ یہ عمل کرنے لگیں تو پھر یہ بھی پہچاننے کے قابل نہیں رہتا کہ اچھا معاشرہ اور مہذب شہری کس کو کہتے ہیں اور یہ ہم سب جانتے ہیں کہ اس معاشرے کو اسفل السافلین کے اس درجے تک پہنچانے میں روزنامہ جنگ نے اگر اسے روزنامہ کہا جا سکتا ہے تو پہنچایا ہے۔ چنانچہ اس کے اس دفاعی نکتہ کا نتیجہ حقیقتاً یہ برآمد ہوتا ہے کہ روزنامہ جنگ سوائے ایک اخبار روزنامہ اور نیوز پیپر بننے کے ہر چیز بننے میں کامیاب رہا۔

جنگ کے خصوصی صفحات اور مذہبی صفحے کی حقیقت:

جنگ کے دفاع میں تیسری بات یہ کہی گئی ہے کہ اس نے تو اخبار میں ہر طبقے ہر طرز و فکر عوام کے

پرشوق اور اس کی خواہشات کو نمائندگی دینے کی کوشش کی ہے اور انتہائی غیر جانبداری اختیار کر کے پورے معاشرے کا آئینہ دار بنانے کی کوشش کی ہے۔ اگر اس نے فلموں کے شائقین کے لیے مواد فراہم کیا ہے تو مذہبی شخصیات کو بھی جگہ دی ہے اور جنگ مذہبی صفحہ یا ایڈیشن بھی شائع کرتا ہے۔ اسی طرح زندگی کے تمام دلچسپی کے موضوعات کو بڑی اہمیت دیتا رہا ہے۔ میں اس دعویٰ کا بھی شق وار تجزیہ کرنا چاہتا ہوں روزنامہ جنگ کے فائل گواہ ہیں کہ اس نے فلمی صفحہ، جنگل کہانیوں اور پراسرار اور پرتعیش واقعات اور قصوں کو نمایاں طور پر اپنے اخبار کا لازمی جزو بنا دیا تھا۔ دوسرے ایڈیشن صفحات تو اس وقت جاری ہوئے جب جنگ ایک دوکان سے بڑھ کر ایک صنعت اور میر خلیل الرحمان ایک لکھ پتی سے بڑھ کر کروڑ پتی سرمایہ دار میں تبدیل ہوگئے اور جنگ کی دوغلی، منافقانہ پالیسی'' حکومت کی کاسہ لیسی اور چڑھتے سورج کی پوجا کرنے اور ہر اترنے والے کو ''اترا شحنہ متروک نام'' دینے والی مسلسل ذہنیت کی وجہ سے اس کا کردار عوام کی نظروں میں آ گیا تھا اور اس پر کھلی تنقید ہونے لگی تھی۔ یہاں انھوں نے اپنے اس عمل پر پردہ ڈالنے اور اپنی عیار فطرت کے مطابق ایک بار پھر کروٹ لے کر تمام طبقات کو خوش کرنے کی پالیسی پر عمل شروع کیا تھا مگر مذہبی صفحے اور مذہبی ایڈیشن کو ایک طبقے تک محدود کر دینا بھی روزنامہ جنگ کا کمال تھا جس قوم نے ایک مذہبی اسپرٹ کے ساتھ جدوجہد آزادی لڑی ہو اسلامی نظام کے لیے یہ ملک بنایا ہو اس کو فلمی ایڈیشن، فیشن ایڈیشن، سیاسی صفحہ، ادبی صفحہ، کھلاڑیوں کے صفحے، پامسٹ کے کالموں، تجارتی صفحوں کی طرح ایک مذہبی صفحہ کے کا بک میں بند کر دینا جنگ کا ہی احسان کہا جا سکتا تھا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ جنگ میں پہلے جو مذہبی صفحہ یا بعد میں مذہبی سپلیمنٹ شائع ہوئے ان سے پاکستانی عوام کے جذبات کی ترجمانی تو چھوڑیے نئی نسلوں کے شعور اور تربیت میں ایسی خرابیاں پیدا ہونی شروع ہوئیں جس نے ان کے دل سے مذہبی اقدار اور دینی حمیت کا بھی ہر جذبہ ختم کر دیا۔

جنگ: اسلامی زندگی مع چھ رنگین ناچوں کے

ظاہر ہے کہ جب مذہبی صفحہ ایڈیشن یا سپلیمنٹ میں بالکل بے ضرر نہایت عامی کی سطح پر مذہبی معلومات پیش کرنا مذہبی فریضہ کی ادائیگی سمجھا جائے گا بلکہ اس کے ساتھ یا اس کے فوراً بعد کسی ہوش ربا، یا نیم برہنہ اداکارہ کا پوز اور اس کی رنگین داستانیں ہر روز اخبار کا سب سے اہم فیچر بنے گی تو نئی نسل کی لڑکیوں اور لڑکوں کو تو چھوڑ دیجیے۔ ان کی ماؤں اور باپوں کا بھی ''دینی افادہ'' اور مذہبی شوق کیسے پورا ہوتا ہوگا۔ اس کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے جنگ کی اس خصوصی صحافتی انفرادیت نے پوری قوم میں تضاد کردار، تمام مذہبی، اخلاقی، انسانی، تہذیبی اقدار کی جگہ صرف نفس پرستی، اباحیت اور جنسی جذبات کے سوا اور کچھ نہیں چھوڑا۔ مذہبی صفحہ کے فوراً بعد فلم کے نگار خانے کا چارم اسلام کی تضحیک اور اس کے ساتھ ایک منافقانہ طرز عمل کے سوا اور کیا پیدا کر سکتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ بھائی [سلیم احمد] صاحب نے ایک مضمون کی سرخی جنگ کے اس

تازہ تازہ دریافت شدہ پاکستانی معاشرہ کے لیے پائی لائٹس کی وجہ سے ہی چنی تھی سرخی تھی ''اسلامی زندگی مع چھ رنگین ناچوں کے'' اور اس وقت تک یہ عمل صرف جنگ ہی کا کارنامہ کہا جاسکتا تھا۔

جنگ کے مذہبی کالم نگاروں کی علمی و اخلاقی حالت:

جنگ کے مذہبی کالموں کی مذہبیت اور کالم نگاروں کا یہ برسوں وطیرہ رہا کہ ایک صاحب جو اس مذہبی صفحے کے مستقل کالم نگار تھے۔ دودھ کا کاروبار کرتے تھے اور ہر حکومت کی کاسہ لیسی میں میر صاحب کے دست و بازو بن جاتے تھے اور بالآخر ایوب خان کی دیگ کی کھرچن تو کھرچن شاید پیندے کی کالک بن گئے تھے۔ دوسرے مستقل اہل قلم بڑے زبردست مذہبی عالم مانے جاتے تھے اور صرف قرآن مجید کا ترجمہ شائع کرتے تھے جس کا کسی دور میں بھی مصرف سمجھ میں نہیں آیا سوائے اس کے اخبارات میں قرآن مجید کی بے حرمتی کا روزانہ اہتمام شروع ہوگیا۔ یہ ایسا موضوع تھا کہ کراچی کے کئی دوسرے اخبار بھی اس عمل میں شریک ہوگئے اور اس معاشرے کی بے حسی کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ طالب علم اسلامیات کے پرچے میں پہلے آیات نقل کر کے لاتے تھے۔ اب اس کے بجائے قرآن مجید کا اصل صفحہ پھاڑ کر لانے لگے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ دیکھا آپ نے مذہبی خدمت بھی کی تو ظالم نے کیا کی جن عالم کا قرآن مجید کا ترجمہ شائع کیا جاتا تھا ان کی ایک ہی خصوصیت تھی کہ وہ مشہور عالموں میں واحد عالم تھے جو سرکاری مولوی سمجھے جاتے تھے اور سوائے ایک موقع کے انھوں نے ہر حکومت کا ساتھ دیا تھا۔ امام ضامن تک باندھے اور ظاہر ہے کہ روزنامہ جنگ کو تو ایسے ہی عالموں کی ضرورت تھی جس نے ان کی ہر مشکل آسان کردی۔ اب آپ خود سوچیے کہ ایسے مستقل مذہبی کالموں سے معاشرہ اور ملک اور قوم تو کیا سدھر سکتی تھی ان عالموں کی اولاد تک نہ سدھر سکی کارطفلاں تمام خواہد شد۔

میر خلیل الرحمان نہ دہریے نہ مسلمان مگر بائیں بازو پر مہربان:

میر خلیل الرحمان کے جنگ کے بارے میں یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ وہ ذاتی طور پر نہ تو کمیونسٹ تھے اور نہ دہریے البتہ مسلم لیگ کی ابتدا میں مسلم لیگی قبا پہن کر صحافت میں ضرور طلوع ہوئے تھے۔ پاکستان میں ایک زمانے تک وہ صرف ایک کمرشل اخبار چلاتے رہے اور سرمایہ دار بننے کے عمل میں اتنے مصروف رہے کہ نہ اپنے اعمال کا پتہ چلنے دیا نہ عقائد کا مگر ایک بار حج بیت اللہ اور زیارت سے فارغ ہوکر آئے تو ان کے مذہبی ہونے کا بڑا چرچا رہا لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ مذہبی ہونے اور اسلامی فرائض کی بجا آوری کے ساتھ روزنامہ جنگ میں ہمیشہ مستقل اور بنیادی کالم نگار ترقی پسند یا سوشلسٹ اہل قلم کیوں رہے۔ یہ ضرور ہے کہ بہت بعد میں ایسے نام بھی ایڈیشنوں کے تقاضوں کی وجہ سے آتے رہے جو سوشلسٹ نہ تھے مگر وہ یا تو پیشہ ورانہ مہارت اور خصوصیت کی وجہ سے بعض موضوعات پر سلسلہ وار کالم لکھتے تھے لیکن ان کو مستقل کالم نگار نہیں کہا جاسکتا تھا۔ مستقل کالم نگاروں میں تو مرزا جمیل الدین عالی کو

چھوڑ کر خواہ وہ ابراہیم جلیس ہوں یا ابن انشاء، احمد ندیم قاسمی ہوں یا انعام درانی سب سکہ بند بائیں بازو کے ادیب تھے۔ اگر انعام درانی کو ادیب کہا جا سکے تو البتہ عالی صاحب کا معاملہ ویسے تو ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں والا تھا۔ مگر وہ شروع میں ایک فیلڈ مارشل کی قربت کے ایسے اسیر ہوئے کہ مارکھا گئے ورنہ ہاتھ پاؤں تو انھوں نے بھی اس صف میں شامل ہونے کے لیے بڑے مارے مگر آپ جانتے ہیں کہ ادیبوں کی یہ ذات بڑی بدذات ہوتی ہے وہ کسی طرح بھی ان کو سوشلسٹ ماننے کے لیے تیار نہیں ہوئے اور صاحب بقول ان کے ایک واحد دوست اور جگری یار ابن انشا نے بھی انھیں کبھی ترقی پسند سمجھ کر نہیں دیا سو وہ جب سے خالی خولی دانشوری پر قناعت کیے ہوئے ہیں۔ اللہ ان کو سلامت رکھے جنگ میں ایک بڑے صاحب اور ایک وہ اس زمانے کی یادگار رہ گئے ہیں ظاہر ہے کہ ادیب کا قلم تو وہی اگلتا ہے جو اس کے باطن میں اور اندر ہوتا ہے۔ لہٰذا ان مستقل کالم نگاروں کی تحریروں میں پاکستان اور اسلام کی وہ تعبیر تو کبھی آ ہی نہیں سکتی تھی جس نے پاکستان بنوایا تھا اور ان کے تمام تر عوامی دعوؤں کے باوجود وہ ان عوام کی ترجمانی کیسے کر سکتے تھے جو مسلم لیگ کا جھنڈا اٹھا کر یہاں تک لائے تھے اور ان کی وجہ سے ترقی پسند تحریک فیل ہوگئی تھی مگر یہ روزنامہ جنگ تھا جس نے قومی اخبار اور مسلم لیگ سیاست سے ابتدا کرنے کے باوجود بائیں بازو کے اہل قلم کو ہمیشہ اپنے یہاں مستقل کالم لکھنے کی دعوت دی اور ظاہر ہے کہ پاکستانی معاشرہ کو یہ اہل قلم کون سا درس دے سکتے تھے۔ یہ بھی جنگ کا ایک کریڈٹ ہے مگر افسوس اس بات کا ہے کہ جنگ کا ساتھی ہونے کی وجہ سے ان کی ترقی پسندی پر بڑے دھبے پڑ گئے تھے۔

جنگ کی صحافت ڈائجسٹ رسالوں سے بلند نہ ہو سکی:

جیسا کہ ابتداء میں ایک اشارہ کر چکا ہوں کہ روزنامہ جنگ نے صحافت میں ایک مستقل پرورٹیڈ (Perverte) فضا جس میں ابتذال اور سستا پن ہمیشہ نمایاں رہا کو رواج دیا ہے جس کی وجہ سے اس کی صحافت اور اس کا مواد دونوں کبھی ڈائجسٹ رسالوں کی فضا سے بلند نہ ہو سکے اور اس نے ہماری اجتماعی حسیات کو گھٹیا سطح تک لے جانے میں ایک مہلک عمل کیا ہے جواب پوری قوم کا مزاج بن چکا ہے۔ سنا ہے کہ وہ اسی فضا کو جنگ کے عوامی ہونے کے ایک ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اتنا تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ جنگ کے ابتدائی فکاہیہ کالم نگاروں کی مجید لاہوری سے ابتدا ہوئی تھی۔ مجید لاہوری کا کیا کہنا تھا۔ ان میں ایک فطری چلبلا پن، فقرہ جمانے کا فن اور مذاق اڑانے کا فطری لطف موجود تھا لیکن اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ان کی تحریروں میں ایک پھکڑ پن اور نچلی سطح کی ظرافت کا نمایاں حصہ تھا۔ خواہ آپ اسے کتنا ہی عوامی قرار دے لیں مگر اس سطح کی اردو صحافت کے تمام معتبر فکاہیہ لکھنے والوں کے مقابلے پر پست تھی۔ جنگ اس عوامی رح سے کبھی بلند نہیں ہوا۔ کاش اس نے اس معاشرے کی تہذیب اور تربیت کا بھی کوئی خیال رکھا ہوتا۔

روزنامہ جنگ کی اس مکمل روداد اور معاشرہ کی بدلتی ہوئی صورت حال کی اس روداد کے ساتھ جنگ آج تک اپنی اس روش کو جاری رکھے ہوئے ہے اور یقیناً اپنے ہدف میں کامیاب بھی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کے حصول کی جدوجہد اور اسلامی معاشرے کے لیے ایک ریاست کے تصور کے خلاف ابتدا ہی میں جن عناصر نے اپنے اپنے ہدف مقرر کیے تھے قیام پاکستان کے بعد اس کو ہمیشہ ناکام بنانے، اس میں تضاد پیدا کرنے اور اس کو قومی حمیت سے محروم کرنے اور پاکستان کا خاتمہ کرانے کی جو منصوبہ بندی کی گئی تھی اس میں صحافت کے میدان میں روزنامہ جنگ کا سب سے کامیاب اور موثر ذریعہ اور حربہ تھا۔ اب ذرا ہمارے پاکستانی عوام کی اکثریت کا بھولا پن دیکھیے۔

میر بیمار ہوئے جس کے سبب اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

جنگ کی فائلوں سے میرے موقف کی تصدیق کیجیے:

یہ غالباً ہم پاکستانیوں کا نہیں بلکہ مسلمان قوم کا ایک خاص مزاج رہا ہے۔ خواہ اسپین ہو یا سمرقند، و بخارا، بغداد ہو کہ پاکستان، ان کے اندر کیسی کیسی گہری سازشیں پلتی رہتی ہیں ان کی جڑیں کھودنے مسمار کرنے کے لیے بارودی سرنگیں بچھائی جاتی رہتی ہیں، مگر وہ ان کے عزائم سے بے خبر اپنے حال میں مست ان کے حال میں بہ رضا و رغبت پھنستے چلے جاتے ہیں اور جب پانی سر سے گزر جاتا ہے تو پورا ملک ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور وہ خود بے سرزمین اور بے وطن کر دیے جاتے ہیں۔ ایک مستحکم سلطنت ختم ہو جاتی ہے اور ایک ملک کے ٹکڑے کر دیئے جاتے ہیں اور ان کو آخر تک یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ عمل ان کے اندر ہوا تھا۔ ان کو شکار کرنے والے ان کی مرضی سے ایسا شکار کر رہے تھے اور جب سب نتائج سامنے آجاتے ہیں تو صدیوں یہ کہہ کر روتے رہتے ہیں کہ ہمیں تو فرقہ پرستی، نسل منافرت اور علاقائیت میں مبتلا کر دیا گیا ہمیں تو سازشوں سے منتشر کر کے مار لیا گیا تو یہی عمل پاکستان میں ہوا ہے اور اب باقی پاکستان کو بھی اسی عمل کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ ذرا سوچیے کہ ۴۵ سال میں پاکستانی معاشرہ کہاں سے کہاں آ گیا ہے وہ قوم جس نے ایک ملک بنایا تھا وہ کتنے بحران و انتشار اور منافرتوں کی زد پر ہے۔ روزنامہ جنگ نے پاکستانی معاشرے میں جو بیج بوئے تھے اس کی فصل ہم کاٹ رہے ہیں۔ جو عمل کیا تھا ہم اس کا آدھا شکار ہو چکے ہیں اور باقی کے خاتمے پر عمل پیرا ہیں۔ میں نے تو صرف اس کی نشاندہی کی ہے جنگ کی فائلیں موجود ہیں میرے ان اشارات کی تصدیق ان سے کی جا سکتی ہیں۔ اب بھی کچھ لوگ ایسے موجود ہیں جو بہت سی باتوں کو مجھ سے بھی زیادہ جانتے ہیں۔ خدا پاکستان کو سلامت رکھے دشمنوں کے عزائم کے منہ میں خاک..... جب بھی یہ دیکھا جائے کہ پاکستانی معاشرہ کی تباہی میں:

کس کس کی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی

تباہی کا ذمہ دار: سب سے زیادہ اشاعت کا دعوے دار

تو اسے نظر آئے گا کہ اب بھی دیکھنے والی نظر دیکھ سکتی ہے کہ ان مہروں میں سب سے اہم مہر اس کے ''سب سے زیادہ اشاعت رکھنے والے'' اور اس کے ''قومی اخبار'' ہونے کے دعویدار روزنامہ کی ہے اور سب سے نمایاں ہے اسی لیے میرا حتمی خیال ہے اور میں اسے ۴۰ سال سے کسی نہ کسی طرح لکھتا رہا ہوں کہ پاکستان کی تباہی میں اگر یہ ایک طرف اس کی قومی قیادت کے بعض رہنماؤں کی منافقت اور صاحب اقتدار طبقہ کی خودغرضی اور بے ایمانی اور مقتدر طبقات کی مفاد پرستی اور جنگ زرگری کا سب سے زیادہ ہاتھ ہے تو دوسری طرف اس کی نوکر شاہی اور فوج کی جاہ پسندی اور اقتدار پسندی کا سب سے نمایاں حصہ رہا ہے لیکن اگر ان دونوں کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں صرف روزنامہ جنگ کو تو پاکستانی معاشرے کو ہدف بنانے کی سازشوں، خواہشوں، مفاد پرستی، کاسہ لیسی اور اباحیت کو رکھ دیا جائے تو جنگ کا پلڑا اگر بھاری نہیں ہوگا تو دوسرے پلڑے کے برابر ضرور نکلے گا۔ اس کے شاہد اور گواہ ابھی موجود ہیں کہ بھولی بھالی معصوم، بے سہارا، اندھی، ناخواندہ قوم اور ہمارا معاشرہ اگر ایک طرف تو دوسری صرف ذرائع ابلاغ سے پھیلائی جانے والی اس کردار کش اباحیت پر اکسانے والی یہود ہنود اور ملحد بین الاقوامی ایجنسیوں کا وسیلہ بننے والی صحافت کا بھی اتنا ہی بڑا ہاتھ ہے جس قوم نے بیسویں صدی میں اپنے جذبہ حریت اور ایمانی قوت کے ذریعے دنیا کی تاریکی میں ایک اضافہ کر دیا تھا اس قوم کو اب ہر جذبے سے محروم کر کے ننگے جسموں کے ناچوں، جرائم پیشگی، قاتلوں اور غارت گردوں تک پہنچا دیا گیا ہے۔

آج جب میں اس موضوع پر یہ سطور لکھ رہا ہوں تو مجھے تحریک پاکستان کے شہیدوں، ہزاروں لاشوں، بیواؤں، یتیم، ویسیر بچوں کی یاد آ رہی ہے جب ان کی حاصل کردہ ریاست کے انجام پر نظر کرتا ہوں تو مجھے نظم مشرق کے یہ مصرعے بے اختیار یاد آ جاتے ہیں۔

سوچتا ہوں کہ کس راہ قضا میں، میں ہوں
دیکھتا کیا ہوں کہ اک دشت بلا میں میں ہوں

چاند تاریک فضاؤں میں اتر آیا ہے
برص کا داغ رخ شب پہ اتر آیا ہے
سیر ہوتی نہیں اک ایسی طلب جاری ہے
جام گردش میں ہے اک رقص طرب جاری ہے
رحل تقدیر پہ قرآن جلی رکھا ہے
طشت زریں میں سر ابن علی رکھا ہے